علّامہ ابن قیّمؒ

جناب پروفیسر طیّب شاہین لودھی

(۱)

زمان و مکان کے بُعد اور نسل و زبان کی حدبندیوں کے باوجود جن چیدہ شخصیتوں نے افکارِ انسانی کو متاثر کیا ہے ان میں ابن تیمیہؒ نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس نابغۂ وقت اور عبقریٔ دوراں نے اُس زمانے میں جنم لیا جو دشمنانِ اسلام کے تغلّب اور مسلمانوں کے انتشار کا زمانہ تھا۔ تاتاریوں نے مسلمانوں کی تقریباً تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف صلیبیوں کے مذہبی جوشِ جنوں نے امن او چین کو تلپٹ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی انحطاط کے ساتھ ساتھ اُن پر علمی اور فکری جمود طاری تھا۔ ہر طرف بیرونی نظریات کی یلغار تھی۔ تصوف کے نام پہ فارس و ہند کے گمراہ کن افکار و نظریات مسلمانوں کے طرزِ فکر پہ پوری قوت سے حملہ آور تھے۔ علماء نے اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے بجائے تاویلات کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ قرآن و سنّت کی صریح اور واضح نصوص کو تاویل کی خراد پر چڑھا کر ان کو یونان و ہند کے فلسفیانہ نظریات کے قطعی مطابق کرنا ہی علم تھا اور اسلام کی عین خدمت۔ بدعات نے سنّت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اور علمائے سُوء ہر بدعت کو عین سنت ثابت کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ شرک نے توحید کے پردے میں پورے مسلمان معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور توحید حیران و سرگرداں اِدھر اُدھر پناہ ڈھونڈ رہی تھی۔

ابن تیمیہؒ بدعتوں، گمراہیوں اور مایوسیوں کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شہاب ثاقب بن کر نمودار ہوئے جو تاریکیوں کا جگر پاش پاش کر دیتا ہے۔ نجمِ سحر بن کر طلوع ہوئے جو نمودِ صبح کا پیغام لاتا ہے۔ وہ

گمراہیوں کے گھمبیر اُفق پر سورج بن کر نکلے جس کی کرنوں نے تمام عالم کو منوّر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ساتویں صدی کے اس زمانے کے لیے ابن تیمیہؒ کو مقدّر کر رکھا تھا۔ اس مردِ خدا نے اس جہانِ آب و گِل میں قدم رکھتے ہی اپنی صلاحیت اور انفرادیت کا لوہا منوا لیا تھا۔ سیف و قلم کے اس مجاہد نے گمراہیوں کے لشکروں کا دنیا کے آخری کنارے تک تعاقب کیا۔ علمِ نبوت کے چشمۂ صافی کو بدعات اور غیر اسلامی نظریات کی کدورتوں سے پاک کیا۔ اور سنتِ نبویؐ کے متعلق تمام شکوک و شبہات کا پردہ چاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی شخصیت کو اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کرنا چاہتا ہے تو دُنیا میں اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ انبیاء اور صلحاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنّت ازل سے چلی آ رہی ہے۔ ذرا تاریخ کے صفحات اُلٹیے۔ مؤرّخ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ دعوتِ حق کے داعیوں کی دعوت کو حق جانتے ہوئے بھی ان کی راہ کو کانٹوں سے بھر دیا گیا۔ اُن کے لیے صلیبیں تیار ہوئیں۔ ہڈیوں سے گوشت چھیل کر الگ کرنے کے لیے لوہے کی کنگھیاں ایجاد ہوئیں، سر پہ آرے چلے، اُن کو اپنے وطن سے نکال دیا گیا، ہاتھ تڑوا دیئے گئے۔ قید و سلاسل میں ڈال دیا گیا۔ اور کوڑوں سے کھال اُدھیڑ دی گئی۔ ابن تیمیہؒ بھی اسی راہ کے مسافر تھے، اور اسی روشنی کے پرتو۔ باطل کے جھونکے اس شمعِ حق کو بجھانے کے لیے لپکے لیکن اس شمع سے شمعیں جلتی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر سُو حق کی روشنی پھیل گئی۔ اور حسد کے اندھیرے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ ابن تیمیہؒ کا روشن کردہ ایک فانوس علامہ ابن قیمؒ کی شخصیت ہے۔

جہاں کہیں اور جب بھی ابن تیمیہؒ کا تذکرہ ہو گا۔ اُن کے ساتھ اُن کے نامور شاگرد رشید ابن قیمؒ کا نام بھی پیوستہ نظر آئے گا۔ آپ اسلام کے صدرِ اوّل میں اسلامی فقہ کی تدوین کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ ایک بات جو نہایت اہم اور سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ تمام نامور فقہاء جن کی فقہ کو کسی نہ کسی اسلامی سلطنت کا دستور العمل بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اُن کے افکار کی شہرت اُن کے شاگردوں کی معرفت ہوئی ہے۔ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، اور احمد رحمۃ اللہ علیہم کے علوم ان کے شاگردوں کی وساطت سے تمام دنیا میں پھیل گئے۔ مگر اوزاعیؒ[1]، ابن ابی لیلیٰؒ، ابو ثورؒ اور لیث بن سعدؒ

---

[1] ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد دمشقی ۸۸ھ بعلبک کے مقام پر پیدا ہوئے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہمعصر تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اُن کے بعض مباحثے کتابوں میں منقول ہیں۔ امام اہلِ شام (باقی بر صفحہ آئندہ)

جیسے جہابذہ اپنے زمانے کی حدود سے باہر قدم نہ رکھ سکے۔ حالانکہ اُن کا تفقہ دیگر امامانِ وقت سے کسی صورت کم نہ تھا۔ امام اوزاعیؒ کو لاکھوں مسائل حفظ تھے۔ امام شافعیؒ خود کہا کرتے تھے "لیث" مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہیں"۔ حالانکہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے اُستاد تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو قاضی ابو یوسفؒ[۱] امام محمدؒ[۲]

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے لقب سے مشہور تھے۔ بہت فصیح اللسان تھے۔ ۱۵۷ھ میں بیروت کے مقام پر وفات پائی۔

[۲] ابو عبدالرحمٰن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ عراق کے علماء میں سے ایک بلند مرتبہ عالم تھے۔ شعبی، نافعؒ، عطاءؒ بن ابی رباح اور دیگر علماء سے اکتساب علم کیا، قاضی کے عہدے پر فائز تھے، ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

[۳] ابو عبداللہ ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان کلبی بغدادی اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ابو ثور اُن کا لقب تھا۔ اہلِ بغداد ان سے فتویٰ لیا کرتے تھے۔ سفیان بن عینیہؒ، وکیع، اور امام شافعیؒ جیسے جہابذہ سے علم حاصل کیا۔ امام احمدؒ کے معصر تھے۔ امام احمدؒ ان کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

[۴] ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی فارسی النسل تھے۔ ۹۴ھ میں مصر میں فسطاط کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ نافعؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، زہریؒ، ہشام بن عروہ، عطاء بن ابی رباحؒ اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے "لیثؒ کثیر العلم اور صحیح الحدیث ہیں۔ اہلِ مصر کے مفتی اور اپنے وقت کے امام تھے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

[۱] (حاشیہ صفحہ ہذا) ابو یوسفؒ یعقوب بن ابراہیم ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہو کر حدیث روایت کرنے لگے۔ ہشام بن عروہ ابواسحاق شیبانی عطاء بن السائب اور دیگر علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ ابن ابی لیلیٰ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس میں حاضر ہوئے اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ اُن کے مذہب پر کتابیں لکھیں اور اُن کے مذہب کی اشاعت کا باعث بنے۔ عباسی سلطنت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر کثیر الحدیث تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام شافعیؒ قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد رہے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ امام شافعیؒ کے بغداد آنے سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ "کتاب الخراج" ان کی مشہور تصنیف ہے۔

[۲] امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں نشوونما ہوئی۔ ابوحنیفہؒ سے اُن کی فقہ سیکھی، مگر اُن کے حلقہ درس میں زیادہ دیر نہ بیٹھ سکے، کیونکہ جناب امام صاحب کا (باقی برصفحہ آئندہ)

اور امام زُفَر[1] بن ہُذَیل رحؒ جیسے شاگرد میسر نہ آتے تو اُن کی فقہ عباسی، ترک اور مغل سلطنتوں کا ضابطہِ قانون نہ بن سکتی۔

اگر امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سلیمان بن ربیعؒ[2] اور مزنیؒ[3] جیسے اصحاب نہ ہوتے تو امام شافعیؒ کی فقہ مصر کا لائحہ قانون نہ بن سکتی تھی۔ اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے جہاں اپنے اُستاد کی زندگی میں اُن کے شانہ بشانہ کام کیا۔ وہاں اُن کی وفات کے بعد اُن کے فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔ اپنے استاد اور اُن کے فکر کی خاطر قید و بند کی صعوبتوں کا بھی نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

ولادت اور تربیت شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مشہور مدرسہ جوزیہ کے قیّم تھے۔ اسی لیے آپ تاریخ میں ابن قیّم کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ نام اس قدر مشہور ہے کہ بہت سے لوگوں کو اُن کے اصلی نام تک کا علم نہیں۔ بعد میں ابن قیّم اس مدرسہ کے سربراہ

(حاشیہ صفحہ سابقہ) انتقال ہو گیا تھا۔ قاضی ابو یوسفؒ کے پاس اپنے علم کی تکمیل کی۔ امام مالکؒ سے مؤطا کی سماعت کی۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اشاعت زیادہ تر امام محمد کی وساطت سے ہوئی۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہٰذا) امام زُفَر بن ہُذَیل بن قیسؒ کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے جس کا خود امام ابوحنیفہ کو بھی اعتراف تھا۔ ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

[2] ابو محمد ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل المرادی مصری امام شافعیؒ کے نامور شاگرد اور اُن کی کتاب کے راوی ہیں۔ طحاویؒ کے مطابق ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعیؒ کے علاوہ دیگر بہت سے علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ بعض لوگوں نے امام شافعی سے ان کی روایت کو مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کی ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

[3] ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مُزنی مصری ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہو کر تحصیلِ علم میں مصروف ہوئے۔ ۱۹۹ھ میں جب امام شافعیؒ مصر میں تشریف لائے تو اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابوں پر امام شافعیؒ کے مذہب کا دارومدار ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے اُستاد کی مخالفت کر جاتے ہیں، جیسا کہ متقدمین کا طریقہ تھا۔ ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

بھی رہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنے زمانے کے بہت سے نامور علماء سے اکتساب علم کیا جن میں علی[1] الشہاب النابلسی، ابوبکر[2] ابن عبدالدائم، محمد[3] بن ابی الفتح البعلبکی اور دیگر بہت سے علماء شامل ہیں۔ مگر جب وہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی خدمت میں حصولِ علم کی خاطر حاضر ہوئے تو بس اُن ہی کے ہو کر رہ گئے۔ وہ اپنے عظیم المرتبت استاد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے رنگ میں رنگ گئے۔ فکر ونظر میں ابن تیمیہؒ کی نہج کو —— جو کہ درحقیقت سنتِ نبوی اور طریقۂ سلف کی منہاج تھی —— اختیار کرلیا۔ اہلِ زیغ اور منحرفین کے خلاف قلمی جہاد میں اپنے شیخ ابن تیمیہ کا پورا پورا ساتھ دیا اور اس راہ میں پیش آنے والی قید و بند اور تمام صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیا۔ اُن کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ[4] جیسے جلیل القدر مفسر اور مؤرخ اور حافظ ابن رجبؒ[5] مؤلف "الذیل علیٰ طبقات الحنابلۃ" جیسے عالم نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے اور بعد

---

[1] ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن بن عبدالمنعم مقدسی نابلسی سنہ ۶۳۰ھ میں نابلس کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بہت سے علماء سے علم کی تحصیل کی فلسطین میں مفتی رہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان سے اکتساب علم کیا ہے۔

[2] زین الدین ابوبکر احمد بن عبدالدائمؒ سنہ ۶۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ ضیاءؒ اور ناجحؒ کے علاوہ دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ بڑے عابد قسم کے انسان تھے۔ سنہ ۷۱۸ھ میں وفات پائی۔

[3] شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی الفتح البعلی سنہ ۶۴۵ھ میں بعلبک کے مقام پر پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ علماء سے علم حاصل کیا۔ لغتِ عربی اور نحو کا علم ابنِ مالکؒ سے حاصل کیا۔ انہوں نے لغت، نحو اور فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام ذہبیؒ اور ابن قیمؒ جیسے علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سنہ ۷۰۹ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔

[4] حافظ ابن کثیر —— عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر سنہ ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش دمشق ہے۔ ان کو ابن تیمیہؒ سے بھی رشتۂ تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ سنہ ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ تفسیر ابن کثیر اور البدایۃ والنہایہ بہت مشہور ہیں۔

[5] زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب بغدادی دمشقی۔ ان کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں آنے والے ہر زمانے میں بلند پایہ علماء استاد اور شاگرد دونوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ ابن قیمؒ تمام عمر تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس میں مصروف رہے۔ اپنے استاد کی طرح مطمحِ اسلامی نظریات کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ آخر بتاریخ ۱۳ رجب ۷۵۱ھ، بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب کو عشاء کے وقت وفات پائی اور دمشق میں باب صغیر کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حافظ ابن قیمؒ کی شخصیت

ابن قیمؒ میں اپنے استاد کی پوری شخصیت منعکس ہے۔ عقیدے کا وہی رسوخ، علم کی وہی گہرائی اور کتاب وسنت کے ساتھ وہی شیفتگی و پیوستگی نظر آتی ہے۔ ناقابلِ تسخیر دلائل کے ساتھ باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا وہی عزم دکھائی دیتا ہے جو استاد کا تھا۔ علامہ ابن قیمؒ قدس اللہ روحہٗ کا مطالعہ کیجیے۔ ان کی تحریر ایک عجیب اثر رکھتی ہے۔ دل میں اتر جانے والا انتہائی سادہ اسلوب جو قرآنی اندازِ بیان سے عکس پذیر ہے۔ سلیس مگر نہایت بلیغ اندازِ بیان کی وجہ سے قاری کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔ اندازِ بیان میں اپنے استاد کی نسبت قدرے نرم اور تکرار سے کسی قدر دور ہیں۔ ان کے دلائل میں دریا کی بپھری ہوئی موجوں کی سی قوت ہے، جن کے سامنے مخالفین کے دلائل کا بند تنکوں کا انبار اور ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ استنباط میں سمندر کی گہرائی ہے جس کی تہہ کا پتہ نہیں چلتا اور عبارت میں پہاڑی ندی کے سے نغمے۔ ابن کثیرؒ ان الفاظ میں ان کی شخصیت کا نقشہ کھینچتے ہیں:-

"ابن قیمؒ رو رات دن علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ کثرت سے نماز پڑھنے اور بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے۔ حسنِ اخلاق سے آراستہ تھے۔ بہت زیادہ محبت اور مودّت سے کام لیتے تھے۔ حسد و کینہ سے بالکل خالی تھے۔"

حافظ ابن حجرؒ[1] ان کے مرتبے کا یوں اعتراف کرتے ہیں:-

"ابن قیمؒ بڑے جرأت مند اور بہت وسیع العلم تھے۔ مذاہبِ سلف اور ان کے اختلافات

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر نے ۷۳۶ھ لکھی ہے۔ اور دائرۂ معارف اسلامیہ نے اسے ترجیح دی ہے۔ بہت سے فحول علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے "الذیل علی طبقات الحنابلۃ" مشہور ہے اور یہی کتاب ان کی شہرت کا باعث ہے۔ ۷۹۵ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد العسقلانی ۷۷۳ھ میں پرانے قاہرہ (باقی برصفحہ آئندہ)

کی کامل معرفت رکھتے تھے"۔

ابن قیمؒ کے نظریات

ابن قیمؒ کے فکر کی منہاج کتاب وسنت ہے اور دیگر فقہائے حدیث خصوصاً امام احمدؒ کی طرح اس سے سرِ مو انحراف کرنے کو تیار نہیں۔ اس کے بعد اجماعِ صحابہ اور اجماعِ مسلمین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور فتاوٰی صحابہ کو اپنے استنباط میں مشعلِ راہ بناتے ہیں۔ اور اس کے بعد نص کی عدم موجودگی میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔ اور یہی وہ طریقِ استنباط ہے جو صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے۔ اور قرنِ اول کے تمام فقہاء ومحققین نے اسے اصولی طور پر تسلیم کیا ہے۔ اور کم وبیش انہی خطوط پر اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی ہے

قیاس کے سلسلے میں ابن قیمؒ فقہائے حدیث کے طرزِ عمل کا نہایت سختی سے التزام کرتے ہیں۔ وہ قرآن وسنت کی نصوص پر کسی ذوق و وجدان یا کشف اور قیاس کی تحکیم قبول نہیں کرتے۔ قیاس کے مقابلے میں قرآن اور سنت کی نصوص کی عظمتِ شان کو کم نہیں ہونے دیتے۔ قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہؓ کے سامنے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے قول کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ بایں ہمہ وہ قیاس کو نہایت احسن طریقے سے استعمال کرتے ہیں جس کی مثالیں ان کی وسیع تصنیفات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ خصوصاً انہوں نے اپنی کتاب " اعلام الموقعین " میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

قرنِ اول ہی سے قیاس کے سلسلے میں فقہاء کے دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو استدلال واستنباطِ احکام میں قیاس کو قطعاً رد کر دیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ قیاس کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ قرآن اور سنت کی واضح نصوص بھی قیاس کے مقابلے میں معدوم نظر آتی ہیں۔ قیاس کے حامی علماء کے گروہ میں سے بعض متاخرین نے " صحابیٔ فقیہ " کی روایت اور " صحابیٔ غیر فقیہ " کی روایت میں فرق کر کے ذخیرۂ حدیث کا کچھ اس طرح پوسٹ مارٹم کیا ہے کہ عملاً سنت قیاس کے مقابلے میں نہایت ضعیف اور بے بس نظر آتی ہے۔ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے زمانے تک فقہاءِ حدیث کی منہاج پر خلافِ قیاس ہونے کا الزام چسپاں رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیدا ہوئے بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا علامہ بلقینی، علامہ ابن الملقن اور عزالدین جیسے علماء سے علم حاصل کیا۔ علامہ زین الدین عراقی سے حدیث کی سند لی۔ ۱۵۰ کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں بخاری کی شرح فتح الباری، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تہذیب التہذیب، لسان المیزان اور تلخیص الحبیر زیادہ مشہور ہیں۔ ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔

ہے۔ لیکن ان دونوں حضرات نے آتے ہی مخالفین کے اعتراضات پر کاہ کی طرح اُڑا دئے اور حدیث صحیح پر خلافِ قیاس وعقل ہونے کا الزام ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

ابن قیمؒ اپنے محترم استاد اور دیگر فقہائے سنّت کی طرح مسائل میں استصحابِ اصل، مصالحِ مرسلات، ذرائع، عرفِ عام اور استحسان کے اصولوں کو خاص طور پہ مدِ نظر رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن کی بنا پر زمان ومکان اور احوال کے تغیر وتبدل کے باوجود اسلامی قانون میں تازگی رہتی ہے۔ اور اجتہاد کے باعث اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑتا رہتا ہے۔ اسلام کے دفعِ حرج اور جلبِ سہولت کے اصولوں کی بنا پہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے احوال کے مطابق سہل اور قابلِ عمل راہ متعین کی ہے۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء نے عموماً اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے خصوصاً ان اصولوں کو اپناتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ شارع کے اصل مقاصد سے ہم آہنگی قائم رہے۔ اور اسلامی قانون کی رُوح اور اُس کے مقاصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ (باقی)

تصحیح

ترجمان القرآن ماہ مارچ کے ص۴۳ پہ دو چیزوں کی تصحیح کر لی جائے۔

- ایک یہ کہ مولانا کی پیدائش کا سن ۱۳۲۱ھ نہیں بلکہ ۱۳۲۱ھ ہے۔
- دوسرے یہ کہ مودود حضرت ناصر الدین ابو یوسف کا لقب نہیں بلکہ حضرت قطب الدین کا لقب تھا۔ حضرت قطب الدین مودود سے منسوب ہو کر یہ خاندان مودودی کہلایا۔

✿

- سیرت سرورِ عالم جلد اول ص۱۰۱ کے حاشیے کے آخر میں حسبِ ذیل عبارت بڑھالی جائے۔

صرف حضرت شعیبؑ آئے تھے، سو اُن کی نبوت صرف مَدْیَنْ اور اَیْکَہ تک محدود رہی اور وہ بھی حضورؐ سے تقریباً ۱۸ سو برس پہلے گذر چکے تھے۔

- ص۳۳۵ کے سامنے جو نقشہ درج ہے اس میں اَرِیْحا کا مقام غلط لکھ دیا گیا ہے۔ صحیح مقام دریائے اردن کے بحیرہ مردار میں داخل ہونے کی جگہ سے متصل واقع ہے۔